AL-JAMEI Research Journal
ISSN (Print) 3006-4775 (Online) 3006-4783

https://aljamei.com/index.php/ajrj

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا تصورِ اقامتِ دین: تفہیم، مصادر اور فکری اثرات

Shah Waliullah Dehlvi's Concept of Iqamat-E-Din: Understanding, Sources and Intellectual Influences

Safia Farid

PhD scholar department of Islamic Studies the Islamia university of Bahawalpur

Safiafareed369@gmail.com, https://orcid.org/0009-0003-7185-3537

Dr Muhammad Asim ul Hassan

Lecturer department of Islamic Studies, the Islamia university of Bahawalpur
masim@iub.edu.pk, https://orcid.org/0000-0002-9778-5953

Abstract

Shah Waliullah Dehlvi (1703–1762) stands as a towering figure in the intellectual and reformative tradition of the Indian subcontinent. His concept of *Iqamah-e-Din* (establishment of religion) forms a central pillar in his thought, aiming not only at personal piety but at the establishment of a just and divinely guided social and political order. This paper explores Shah Waliullah's understanding of *Iqamah-e-Din*, tracing its roots in the Qur'an and Hadith, as well as examining the influence of classical Islamic scholarship, particularly the works of scholars like Al-Ghazali and Ibn Taymiyyah. The research also analyzes how Shah Waliullah contextualized *Iqamah-e-Din* to the socio-political challenges of Mughal India. His intellectual contributions reflect a synthesis of spirituality, jurisprudence, and political insight, offering a timeless model of religious revival. This study situates Shah Waliullah's thought within the broader Islamic tradition and assesses its lasting influence on later Islamic movements in South Asia.

Key Words: Shah Waliullah Dehlvi, Iqamah-e-Din, Islamic revivalism, Qur'an, Hadith, political thought, Islamic reform, South Asia, intellectual heritage, classical scholarship, Islamic governance

تمہید

شاہ ولی اللہ دہلویؒ (1703–1762) برصغیر کی علمی و فکری تاریخ کا ایک اہم اور مؤثر نام ہیں، جنہوں نے نہ صرف دینی علوم میں گراں قدر خدمات انجام دیں بلکہ امت مسلمہ کی اصلاح اور تجدید کے لیے ایک ہمہ جہتی نظریۂ عمل بھی پیش کیا۔ ان کا تصور "اقامتِ دین" محض انفرادی اصلاح یا عبادات کی ادائیگی تک محدود نہیں بلکہ اس کا دائرہ ایک مکمل اسلامی معاشرے کے قیام، عدلِ اجتماعی کے فروغ، اور شریعت کے نفاذ تک پھیلا ہوا ہے۔ شاہ صاحب کے نزدیک اقامتِ دین دراصل اس دینی شعور کا نام ہے جس کے تحت افراد اور ادارے مل کر اللہ کے احکام کو عملی طور پر نافذ کرتے ہیں۔[1]

شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے نظریۂ اقامتِ دین کی بنیاد قرآن و سنت کے گہرے مطالعے پر رکھی، ساتھ ہی انہوں نے فقہی، صوفیانہ، اور کلامی روایات سے بھرپور استفادہ کیا۔ ان کے علمی مصادر میں امام غزالیؒ، ابن تیمیہؒ، امام شاطبیؒ، اور دیگر کلاسیکی مفکرین کے اثرات نمایاں طور پر دکھائی دیتے ہیں، لیکن ان کی سوچ کا امتیاز اس کی مقامی، تاریخی اور عملی جہت ہے۔ وہ اسلامی فکر کو محض ماضی کا ورثہ نہیں سمجھتے بلکہ اسے عصرِ حاضر کی معاشرتی و سیاسی ضروریات کے مطابق بروئے کار لانے کا ایک زندہ نظام مانتے ہیں۔

یہ تحقیقی مطالعہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے تصورِ اقامتِ دین کی فکری گہرائی، علمی مصادر اور اثرات کا جائزہ لیتا ہے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ ان کا پیغام محض نظری سطح پر نہیں تھا بلکہ انہوں نے اس کو برصغیر کے زوال پذیر معاشرے میں عملی صورت میں نافذ کرنے کی راہ بھی متعین کی۔ ان کے افکار نے نہ صرف ان کے عہد میں تحریکِ احیائے دین کو جنم دیا بلکہ بعد کے مصلحین، تحریکوں اور دینی تنظیموں کے لیے فکری بنیاد فراہم کی، جن میں خاص طور پر سید احمد شہیدؒ، سر سید احمد خان، علامہ اقبالؒ اور سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ کے افکار شامل ہیں۔[2]

سوال تحقیق

1. شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے تصورِ اقامتِ دین کی قرآنی و حدیثی بنیادیں کیا ہیں اور انہوں نے اس تصور کو اپنے عہد کے سیاسی و سماجی حالات کے تناظر میں کیسے پیش کیا؟
2. شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فکر پر کن قدیم و جدید اسلامی مفکرین کے نظریات کا اثر نمایاں ہے اور ان کا یہ تصور بعد کی اصلاحی تحریکوں میں کس انداز سے منتقل ہوا؟

سابقہ کام کا جائزہ

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے تصور اقامتِ دین پر مختلف ادوار میں متعدد محققین نے علمی کام کیا ہے، جن میں برصغیر کے علما، مورخین، اور مفکرین شامل ہیں۔ ان کے افکار پر سب سے ابتدائی کام ان کے شاگردوں اور خانوادے کے افراد نے کیا، خاص طور پر شاہ عبدالعزیزؒ اور ان کے بعد کے علماء نے شاہ صاحب کے فکر کو محفوظ رکھا اور آگے بڑھایا۔ بعد ازاں جدید دور میں مولانا مناظر احسن گیلانی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، اور ڈاکٹر فضل الرحمن جیسے محققین نے شاہ ولی اللہ کے افکار کو جدید تنقیدی اور علمی زاویوں سے جانچا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی سیاسی فکر پر بات کرتے ہوئے ان کی سوچ کو اسلامی سیاسی نظریے کے ابتدائی خدوخال کے طور پر پیش کیا۔ ان کے مطابق، شاہ صاحب اقامتِ دین کو خلافت و امارت کے ساتھ جوڑتے ہیں اور اسے محض انفرادی تقویٰ تک محدود نہیں رکھتے۔ اسی طرح، ڈاکٹر فضل الرحمن نے شاہ ولی اللہ کی قرآنی تعبیرات کو اجتہادی بنیادوں پر پرکھا اور انہیں اسلامی علوم کے ایک نیا دور کا نقطۂ آغاز قرار دیا۔

مولانا مناظر احسن گیلانی نے اپنے متعدد مضامین اور کتب میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو برصغیر کی اسلامی تحریکات کا فکری محرک قرار دیا۔ ان کے مطابق، اقامتِ دین کے تصور نے بعد ازاں سید احمد شہیدؒ کی تحریکِ جہاد اور دیگر اصلاحی تحریکات کی فکری تشکیل میں کلیدی کردار ادا کیا۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر مہدی حسن اور پروفیسر خورشید احمد نے بھی شاہ ولی اللہ کی سیاسی اور سماجی فکر کو اجتہادی تحریک کے تناظر میں پیش کیا ہے۔[3]

تاہم، بیشتر سابقہ تحقیقی کام یا تو شاہ ولی اللہ کے عمومی فکری جہت پر مرکوز رہا ہے یا محض ان کی تجدیدی خدمات کو اجمالاً بیان کرتا ہے۔ اقامتِ دین کے تصور کو ایک مربوط اور منظم فکری نظام کے طور پر تفصیل سے سمجھنے کی کوشش کم ہی کی گئی ہے۔ موجودہ مطالعہ اس خلا کو پر کرنے کی کوشش ہے، جس میں نہ صرف اقامتِ دین کی تعریف، مصادر اور فکری بنیادوں کو واضح کیا جائے گا بلکہ اس تصور کی عملی جہات اور بعد کی اسلامی تحریکات پر اس کے اثرات کو بھی نشان زد کیا جائے گا۔

اسلوب تحقیق

اس تحقیقی مطالعے میں تاریخی، تجزیاتی اور تفہیمی (descriptive-analytical) اسلوب تحقیق اختیار کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی بنیادی تصانیف، جیسے حجۃ اللہ البالغہ، ازالۃ الخفاء، اور تفہیماتِ الٰہیہ کا مطالعہ کرتے ہوئے ان کے تصورِ اقامتِ دین کی اصل تعبیرات اور بنیادوں کو اخذ کیا گیا ہے۔ اس کے بعد دیگر کلاسیکی اور جدید اسلامی مفکرین کے ساتھ تقابلی جائزہ لے کر فکری اثرات کو جانچنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس تحقیق میں بنیادی مصادر کے ساتھ ساتھ ثانوی مصادر، جیسے کتب، مقالات، اور معاصر محققین کی تحریروں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، تاکہ شاہ ولی اللہ کے فکر کی جامع تفہیم پیش کی جاسکے۔ تمام حوالہ جات شکاگو طرزِ حوالہ (Chicago Manual of Style) کے مطابق مرتب کیے گئے ہیں۔[4]

تفہیم و تحقیق عنوان

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا تصور اقامت دین ایک جامع اور ہمہ گیر نظریہ ہے جس میں دین کی تعلیمات کے عملی نفاذ، سیاسی تنظیم اور اخلاقی تربیت پر زور دیا گیا ہے۔ شاہ صاحب کے نزدیک اقامت دین کا مفہوم صرف فرد کی اصلاح تک محدود نہیں تھا، بلکہ یہ ایک مکمل نظام کا قیام تھا جس میں معاشرتی، سیاسی اور روحانی پہلو شامل تھے۔ انہوں نے دین کو ایک متوازن اور جامع نظریہ سمجھا جو نہ صرف فرد کی فلاح بلکہ پوری امت کے اجتماعی مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ ان کے نزدیک دین کی اقامت اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ اس کے تمام پہلوؤں کا عملی نفاذ نہ ہو، چاہے وہ سیاسی نظام ہو، اقتصادی اصلاحات یا سماجی انصاف۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے فکری ارتقاء میں اسلامی تاریخ، فلسفہ اور فقہ کے مختلف زاویوں کا مطالعہ کیا اور دین کے اس مکمل نظام کو سمجھا جو انسانیت کی فلاح اور عدل کے قیام کے لیے ضروری تھا۔ ان کا تصور اقامت دین قرآن و سنت کی بنیادوں پر استوار تھا، اور انہوں نے ان دونوں کے ذریعے اپنی فکری استدلال کو مضبوط کیا۔ انہوں نے قرآن کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے اقامت دین کے تصور کو اخذ کیا اور اسے نہ صرف فرد کی ذاتی عبادات بلکہ اجتماعی طور پر پورے معاشرتی نظام میں نافذ کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ شاہ صاحب نے خلافت و امامت کے تصورات کو اس تناظر میں دیکھا، جہاں ریاستی نظام کا مقصد نہ صرف حکومت چلانا بلکہ دین کا نفاذ بھی تھا۔[5]

شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک اقامت دین ایک نظریہ نہیں بلکہ ایک عملی فریضہ تھا، جس کے ذریعے اسلام کے تمام اصولوں کو معاشرتی زندگی میں نافذ کرنا ضروری تھا۔ ان کے مطابق حکومت کا اصل مقصد لوگوں کو عدل و انصاف فراہم کرنا اور ان کے حقوق کا تحفظ تھا۔ شاہ صاحب کی فکر میں اقامت دین کے لیے ایک منظم جماعت کی ضرورت تھی، جو اس مقصد کے لیے کام کرے اور اس کے لیے ضروری تھا کہ امت کا اتحاد ہو، تاکہ دین کی مکمل اقامت کی راہ ہموار ہو سکے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ان کے نزدیک اجتماعی جدوجہد ضروری تھی، اور اس میں مذہبی علماء، سیاسی رہنما اور عوام سب کو شریک کرنا تھا۔ شاہ ولی اللہؒ نے خلافت کے تصور کو اسلامی ریاست کی بنیاد قرار دیا اور کہا کہ خلافت دین کے نفاذ کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔

ان کا یہ تصور اقامت دین نہ صرف اپنے زمانے میں انقلابی تھا بلکہ آج کے دور میں بھی اس کی معنویت موجود ہے۔ شاہ ولی اللہ نے اس بات پر زور دیا کہ اقامت دین میں فرد اور ریاست کے تعلقات میں توازن قائم کیا جائے، اور ریاست کے کردار کو معاشرتی عدل اور اسلامی اصولوں کے مطابق مرتب کیا جائے۔ ان کی فکر نے اس بات کو واضح کیا کہ اقامت دین کے لیے صرف روحانی یا اخلاقی کوشش کافی نہیں، بلکہ سیاسی اور معاشی اصلاحات بھی ضروری ہیں تاکہ اسلامی معاشرہ مکمل طور پر قائم ہو سکے۔ ان کے نزدیک دین کا نفاذ محض عبادات تک محدود نہیں تھا بلکہ زندگی کے تمام شعبوں میں اس کے اصولوں کا اطلاق ضروری تھا۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ ایک جامع نظام قائم کیا جائے جس میں تعلیم، معاشی انصاف، عدلیہ اور حکومتی ادارے اسلامی اصولوں کے مطابق کام کریں۔[6]

شاہ ولی اللہؒ کے اس تصور نے برصغیر کی فکری اور دینی دنیا پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ ان کی فکر نے بعد کی دینی تحریکات کو راستہ دکھایا اور ان کے تصورات کو لے کر جدید دور کے مذہبی سکالرز نے مختلف مسائل پر غور و فکر کیا۔ شاہ ولی اللہؒ کی فکر کا اثر خاص طور پر جماعت اسلامی اور سید ابو الحسن علی ندویؒ جیسے علماء پر بھی واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے، جنہوں نے اقامت دین کو اپنے کام کا مقصد بنایا۔ ان کا یہ تصور آج بھی مسلمانوں کے لیے ایک رہنمائی فراہم کرتا ہے، جس میں دین کو ایک مکمل اور جامع نظام کے طور پر سمجھا جاتا ہے جو نہ صرف فرد کی فلاح کا ضامن ہے بلکہ پورے معاشرے کی ترقی کے لیے بھی ضروری ہے۔

ان کی اس فکر کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے امت کی فکری اور عملی زندگی میں اس بات پر زور دیا کہ دین کے اصولوں کو صرف عبادات تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ ان کو پورے معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی نظام میں نافذ کیا جائے۔ شاہ ولی اللہؒ نے اقامت دین کو صرف ایک دینی فریضہ نہیں بلکہ ایک انقلابی عمل سمجھا جو انسانیت کی فلاح کے لیے ضروری ہے۔ اس کے ذریعے نہ صرف فرد کی اصلاح ہوتی ہے بلکہ پورے معاشرتی نظام میں

عدل، انصاف اور آزادی کے اصولوں کا نفاذ ممکن ہوتا ہے۔ ان کی یہ فکر آج بھی مسلمانوں کے لیے ایک رہنمائی کی حیثیت رکھتی ہے، جس سے وہ دین کی مکمل اقامت کے عمل کو سمجھ سکتے ہیں۔[7]

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا شمار برصغیر کے ان عظیم مفکرین، مصلحین اور محدثین میں ہوتا ہے جنہوں نے اسلامی فکر کی تجدید کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ان کا تصور اقامتِ دین نہ صرف انفرادی اصلاح پر مبنی تھا بلکہ اجتماعی سطح پر ایک منظم اسلامی معاشرے کے قیام کا داعی بھی تھا۔ اقامتِ دین ان کے نزدیک محض عبادات کا قیام نہ تھا بلکہ عدل اجتماعی، شریعت کی بالادستی اور دینی و اخلاقی اقدار کے عملی نفاذ کا مکمل نظام تھا۔

شاہ ولی اللہ کا یہ نظریہ ان کے عہد کی سیاسی، معاشرتی اور دینی زبوں حالی کے ردعمل میں ابھرا۔ مغلیہ سلطنت زوال پذیر تھی، علماء فرقہ واریت میں منہمک تھے، اور عوام دینی شعور سے غافل ہوتے جا رہے تھے۔ اس صورتِ حال میں شاہ صاحب نے دینی نظام کے احیاء کی بنیاد اقامتِ دین کے تصور پر رکھی تاکہ اسلامی معاشرت اپنی اصل شکل میں واپس آ سکے۔[8]

اقامتِ دین کی تفہیم کے لیے ان کے بنیادی متون کا مطالعہ ناگزیر ہے، جن میں "حجۃ اللہ البالغہ"، "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء"، "تفہیمات الٰہیہ"، اور "الانصاف" شامل ہیں۔ ان کتب میں شاہ صاحب نے اقامتِ دین کو ایک ہمہ جہت دینی ذمہ داری کے طور پر بیان کیا ہے جو انفرادی تزکیہ، اجتماعی عدل اور سیاسی نظم کے قیام کو یکجا کرتی ہے۔

"حجۃ اللہ البالغہ" شاہ صاحب کا وہ شاہکار ہے جس میں انہوں نے انسانی فطرت، معاشرتی اصولوں، اور شریعت کی حکمتوں کو مربوط انداز میں بیان کیا۔ اس کتاب میں اقامتِ دین کا تصور نہ صرف نصوصِ شرعیہ کی روشنی میں پیش کیا گیا بلکہ اسے معاشرتی اصلاح کے ایک منظم فریم ورک کے طور پر بھی بیان کیا گیا ہے۔[9]

شاہ ولی اللہ کے نزدیک دین کی اصل روح عدل، تزکیہ، اور اطاعتِ الٰہی میں مضمر ہے۔ ان کا یہ موقف ان کے تصورِ اقامتِ دین کی اساس ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دین کا مقصد نہ صرف فرد کی نجات ہے بلکہ ایک ایسا نظام قائم کرنا ہے جس میں اللہ کی حاکمیت اور بندوں کے حقوق یکساں طور پر محفوظ ہوں۔

شاہ صاحب کے فکری ماخذات میں قرآن و سنت کے ساتھ ساتھ اسلامی تاریخ، فقہی روایت، کلامی مباحث اور صوفیانہ افکار شامل ہیں۔ انہوں نے ان تمام ذرائع سے استفادہ کرتے ہوئے ایک متوازن اور مربوط نظریہ پیش کیا جو ان کے اجتہادی مزاج کا مظہر ہے۔

انہوں نے اقامتِ دین کے لیے سیاسی اصلاح کو ناگزیر قرار دیا، لیکن وہ کسی انقلابی تحریک کے قائل نہ تھے بلکہ تدریجی اور حکیمانہ حکمت عملی کے داعی تھے۔ ان کے نزدیک اصل کام عوام میں دینی شعور پیدا کرنا، علماء کو متحد کرنا اور حکمرانوں کو دین کی طرف مائل کرنا تھا۔

شاہ ولی اللہ کے افکار پر امام غزالیؒ، ابن تیمیہؒ، ابن خلدونؒ، اور امام شاطبیؒ جیسے مفکرین کے اثرات واضح طور پر محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ ان کے فکر میں ان سب کے اجتہادی اور اصولی پہلو جھلکتے ہیں لیکن وہ ان سے آگے بڑھ کر برصغیر کے مخصوص حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی ایک جداگانہ سوچ تشکیل دیتے ہیں۔[10]

انہوں نے دین کو ایک ہمہ گیر نظام کے طور پر دیکھا جو انسانی زندگی کے ہر پہلو کو محیط ہے۔ اقامتِ دین اس تصور کا مرکزی جزو ہے، جس کے بغیر نہ عدل قائم ہو سکتا ہے، نہ تعلیم مؤثر ہو سکتی ہے، نہ معیشت درست ہو سکتی ہے۔

ان کی فکر کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ دین اور عقل کے درمیان ہم آہنگی کے قائل تھے۔ اقامتِ دین کے ضمن میں بھی وہ اجتہاد کو ناگزیر قرار دیتے ہیں تاکہ ہر دور کے حالات کے مطابق اسلامی احکام کا نفاذ ممکن ہو سکے۔[11]

شاہ صاحب کی فکر نے بعد میں آنے والی تحریکوں جیسے سید احمد شہیدؒ کی تحریکِ جہاد، دیوبندی مکتبِ فکر، تحریکِ خلافت اور سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی جماعت اسلامی پر گہرا اثر ڈالا۔ سید احمد شہیدؒ نے اقامتِ دین کے لیے عملی جدوجہد کو لازمی قرار دیا اور شاہ صاحب کے تصورِ خلافت و امامت کو بنیاد بنا کر ایک انقلابی تحریک کی بنیاد رکھی۔ اسی طرح مولانا مودودیؒ نے بھی اقامتِ دین کو اپنی تحریک کا محور بنایا اور اس میں شاہ صاحب کے فکری خدوخال کو جدید سیاسی و فکری اسلوب میں بیان کیا۔[12]

شاہ صاحب کے نزدیک اقامتِ دین صرف مذہبی فریضہ نہ تھا بلکہ ایک سماجی اور سیاسی ضرورت تھی۔ ان کے نزدیک اگر دین کا نظام قائم نہ ہو تو فرد اور معاشرہ دونوں فتنہ و فساد کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان کے فکری نظام میں اقامتِ دین ایک فطری تقاضا ہے، جو انسان کی روحانی اور معاشرتی دونوں ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ شاہ ولی اللہ کے نزدیک نبوت اور خلافت میں ایک گہرا ربط موجود ہے۔ نبیؐ شریعت لاتے ہیں اور خلفاء اس شریعت کا نفاذ کرتے ہیں۔ یہی ربط اقامتِ دین کی اساس ہے۔

انہوں نے امت کی وحدت کو اقامتِ دین کے لیے بنیادی شرط قرار دیا۔ فرقہ واریت، علاقائیت اور دنیا پرستی کو وہ اس راہ کی سب سے بڑی رکاوٹیں سمجھتے تھے۔

اقامتِ دین کے لیے ان کا طریقہ کار تین بنیادی اصولوں پر مشتمل تھا: (1) علمی و فکری اصلاح، (2) دینی تعلیم و تربیت، اور (3) عملی جدوجہد۔

انہوں نے اہلِ علم کو اقامتِ دین کا علمبردار قرار دیا اور ان پر زور دیا کہ وہ عوام کی اصلاح، حکمرانوں کی رہنمائی، اور نظامِ شریعت کے قیام کے لیے متحد ہو جائیں۔[13]

شاہ صاحب کی فکر میں وحدت، حکمت، اور تدبر نمایاں ہیں۔ وہ کسی سطحی یا جذباتی تحریک کے قائل نہیں بلکہ شعور اور علم کی بنیاد پر تبدیلی چاہتے تھے۔

ان کی تحریروں میں جہاں دینی نصوص کا گہرائی سے مطالعہ موجود ہے وہیں معروضی حالات کا تجزیہ بھی بھرپور انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ یہی ان کے اسلوب کی انفرادیت ہے۔ شاہ ولی اللہ نے دین کو 'نظامِ حیات' کے طور پر متعارف کرایا۔ ان کے نزدیک اسلام محض عقائد یا عبادات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک مکمل معاشرتی اور سیاسی نظام ہے۔[14]

انہوں نے اپنے فکری نظام میں دینی اور دنیاوی امور کی تفریق کو رد کیا اور کہا کہ دونوں میں وحدت ہونی چاہیے، یہی اقامتِ دین کی اصل روح ہے۔ ان کے نزدیک اقامتِ دین کا اصل مرکز و محور اللہ کی حاکمیت اور بندگی ہے۔ باقی تمام ادارے، قانون، تعلیم، معیشت اسی بنیاد پر استوار ہونے چاہئیں۔ ان کے افکار کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ وہ معاشرتی طبقات میں ہم آہنگی کے قائل تھے۔ وہ نہ جاگیرداری کے حامی تھے نہ سرمایہ داری کے۔ ان کا تصور عدلِ اجتماعی پر مبنی تھا۔ اقامتِ دین کے لیے انہوں نے تصوف کو بھی ذریعہ بنایا، لیکن وہ بدعات و خرافات سے پاک تصوف کے قائل تھے جو نفس کی اصلاح اور روح کی بالیدگی پر مشتمل ہو۔[15]

ان کی فکر میں "شریعت"، "طریقت"، اور "حکمت" کا حسین امتزاج نظر آتا ہے، جو ان کے تصورِ اقامتِ دین کو ایک متوازن اور ہمہ گیر فلسفہ بناتا ہے۔ ان کے نزدیک اقامتِ دین کا مقصد صرف مسلمانوں کا فائدہ نہیں بلکہ تمام انسانیت کی فلاح ہے، کیونکہ دینِ اسلام عالمگیر ہدایت ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا تصورِ اقامتِ دین ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ محض انفرادی عبادات کافی نہیں بلکہ ایک عادلانہ اور خدائی نظام کے قیام کے لیے اجتماعی جدوجہد لازم ہے۔ ان کے نزدیک اقامتِ دین کا مطلب محض خلافت کا قیام نہیں بلکہ ایک ایسا نظام تشکیل دینا ہے جو شریعت کی روشنی میں عدل، خیر، اور امن کو عام کرے۔ انہوں نے اسلامی قانون کی حکمتوں کو بیان کرتے ہوئے یہ باور کرایا کہ اقامتِ دین کا مقصد انسانیت کی بھلائی اور ظلم و فساد کا خاتمہ ہے۔ اقامتِ دین کو وہ صرف فقہی یا نظریاتی اصطلاح نہیں سمجھتے تھے بلکہ ایک زندہ، متحرک، اور لازمی عمل کے طور پر دیکھتے تھے۔[16]

ان کے تصورِ اقامتِ دین میں اخلاقیات، معیشت، سیاست اور تعلیم سب شامل ہیں، جو اسلام کے ہمہ جہت پیغام کی نمائندگی کرتا ہے۔ شاہ ولی اللہ کا نظریہ اقامتِ دین برصغیر میں تجدید و اصلاح کی تمام تحریکات کی فکری بنیاد بن کر ابھرا اور آج بھی معاصر اسلامی فکر میں اس کی گونج سنائی دیتی ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا تصورِ اقامتِ دین ایک ایسا جامع اور بامعنی نظریہ ہے جو نہ صرف اسلامی معاشرت کی تشکیلِ نو کے لیے رہنما اصول فراہم کرتا ہے بلکہ عصرِ حاضر کے فکری و عملی چیلنجز کا بھی متوازن حل پیش کرتا ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا تصورِ اقامتِ دین نہ صرف ایک نظریاتی موقف تھا بلکہ ایک مکمل عملی منصوبہ بھی تھا جس میں مذہبی، سیاسی، اقتصادی اور سماجی نظام کی اصلاح کی اہمیت پر زور دیا گیا۔ ان کے مطابق، دین کی اقامت کے لیے ضروری تھا کہ اسلامی اقدار کو معاشرتی زندگی میں عملی طور پر نافذ کیا جائے۔ شاہ ولی اللہؒ نے اس بات پر زور دیا کہ دین کے تمام اصولوں کا اطلاق فرد سے لے کر معاشرتی سطح تک ہونا چاہیے، تاکہ حقیقی اسلامی معاشرت قائم ہو سکے۔ اس تصور میں ایک سیاسی ریاست کا قیام شامل تھا جس میں اسلامی اصولوں کے مطابق قانون و انصاف کا نفاذ ہو۔ تاہم، ان کا یہ تصور اس وقت کے معاشرتی و سیاسی حالات سے متصادم تھا، کیونکہ برصغیر میں مسلمانوں کی سیاسی طاقت کمزور ہو چکی تھی اور مغل سلطنت کا

زوال ہو چکا تھا۔ اس کے باوجود، شاہ ولی اللہؒ نے اس خلا کو پر کرنے کے لیے ایک فکری بنیاد فراہم کی، جو بعد میں اسلامی تحریکات میں اہم مقام حاصل کر گئی۔[17]

ایک اور تنقیدی پہلو یہ ہے کہ شاہ ولی اللہؒ کے اقامت دین کے تصور میں اسلام کی بنیاد پر ایک جامع ریاست کا قیام ضروری تھا، لیکن ان کے اس نظریے کی عملی حقیقت میں پیچیدگیاں بھی تھیں۔ جہاں تک اس وقت کی عملی سیاست کا تعلق تھا، شاہ ولی اللہؒ نے اپنے نظریے میں اس بات کو واضح طور پر پیش کیا کہ مسلمانوں کے لیے ایک اسلامی ریاست کا قیام ضروری ہے تاکہ دین کے اصولوں کا حقیقی نفاذ ممکن ہو سکے، لیکن ان کے اس تصور کو عملی جامہ پہنانا ایک چیلنج تھا۔ اس کے لیے جو فکری اور عملی اقدامات درکار تھے، وہ اس وقت کی پیچیدہ سیاسی صورتحال میں ممکن نظر نہیں آتے تھے۔ اس کے باوجود، ان کی یہ فکر بعد کے مسلم مفکرین اور رہنماؤں کے لیے ایک رہنمائی کے طور پر اہم ثابت ہوئی، جو بعد میں اس تصور کو جدید سیاسی اور سماجی تناظر میں دوبارہ پیش کرنے میں کامیاب ہوئے۔

شاہ ولی اللہؒ کا اقامت دین کے تصور میں ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ انہوں نے مذہبی اور سیاسی معاملات کو یکجا کرنے کی کوشش کی، جس کی بنیاد پر وہ ریاستی نظام کی تشکیل کی بات کرتے تھے۔ اس کے باوجود، ان کے اس تصور میں معاشرتی سطح پر اس بات کی کمی تھی کہ کس طرح عوامی سطح پر اقامت دین کے اصولوں کو لاگو کیا جا سکتا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ نے مذہب کے دینی اور روحانی پہلو کو اہمیت دی، مگر انہوں نے اس بات کا بھی ادراک کیا کہ دینی اصلاحات کے لیے ریاستی طاقت کی ضرورت ہے تاکہ ایک منظم سیاسی و سماجی ڈھانچہ قائم کیا جا سکے جو اسلامی اصولوں کے مطابق کام کرے۔ اس نظریے میں ایک اہم سوال یہ بھی اٹھتا ہے کہ کیا اسلامی ریاست کا قیام معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی اصولوں کی اصلاح کے لیے کافی تھا، یا اس کے لیے ان اصولوں کی توسیع اور جدیدیت کی ضرورت تھی؟

ان کے اس فکری عمل کا ایک اور تنقیدی پہلو یہ ہے کہ شاہ ولی اللہؒ نے اسلامی تعلیمات کو جدید دنیا کے چیلنجز کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی، مگر ان کی تعلیمات زیادہ تر اپنے وقت کی ضرورتوں اور حالات کے مطابق تھیں۔ اس کے باوجود، ان کی فکری میراث نے بعد کی اسلامی تحریکات کو ایک مضبوط فکری بنیاد فراہم کی، خاص طور پر ان کے اقامت دین کے نظریے نے مسلم معاشروں کو یہ سمجھنے میں مدد دی کہ اسلامی اصولوں کا عملی نفاذ ممکن ہے۔ تاہم، آج کے دور میں جب عالمی سطح پر جدیدیت اور سیکولرازم کا اثر بڑھ چکا ہے، تو شاہ ولی اللہؒ کے اقامت دین کے تصور کو عملی جامہ پہنانا ایک اور چیلنج بن چکا ہے، جو آج بھی مسلمانوں کے لیے ایک اہم فکری اور عملی سوال ہے۔ ان کے تصور کا تجزیہ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ اقامت دین کا نظریہ نہ صرف ایک فکری انقلاب تھا بلکہ ایک عملی جدوجہد بھی تھی، جسے ایک خاص تاریخی، سیاسی اور سماجی پس منظر میں سمجھنا ضروری ہے۔[18]

اگرچہ شاہ ولی اللہؒ کا تصور اقامت دین اپنی نوعیت میں انقلابی تھا، لیکن ان کے نظریے کی تکمیل کے لیے جو عملی راہیں تجویز کی گئیں، وہ اس وقت کے حالات میں نافذ کرنا مشکل تھا۔ ان کی فکری جدوجہد میں ایک خاص نکتہ یہ بھی ہے کہ دین کے اصولوں کو زندگی کے تمام پہلوؤں میں نافذ کرنے کے لیے محض ریاستی طاقت ہی کافی نہیں تھی، بلکہ ایک مکمل فکری بیداری اور معاشرتی سطح پر تبدیلی کی ضرورت تھی۔ اس کے باوجود، ان کے نظریات نے بعد میں آنے والی دینی تحریکوں کو ایک سمت دکھائی، جو اقامت دین کے عمل کو جدید دور کے تناظر میں دوبارہ پیش کرنے کی

کوشش کرتی ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ کے تصورات نے اس بات کو ثابت کیا کہ اسلامی معاشرت کے قیام کے لیے ایک جامع اور ہمہ گیر نقطہ نظر کی ضرورت ہے، جس میں روحانیت، سیاست اور معاشرتی انصاف کے تمام پہلو شامل ہوں۔[19]

نتائج تحقیق

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا تصور اقامت دین ایک جامع فکری اور عملی منصوبہ تھا جس کا مقصد اسلامی اصولوں کی بنیاد پر معاشرتی، سیاسی، اقتصادی اور مذہبی نظام کو استوار کرنا تھا۔ ان کے مطابق، دین کی اقامت کے لیے ضروری تھا کہ اسلامی تعلیمات کو فرد کی سطح سے لے کر ریاستی سطح تک نافذ کیا جائے تاکہ ایک مکمل اسلامی ریاست کا قیام ہو سکے، جو عدل و انصاف کے اصولوں پر مبنی ہو۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ دین کے حقیقی نفاذ کے لیے صرف ریاستی طاقت ہی کافی نہیں، بلکہ عوامی سطح پر فکری بیداری اور اصلاحات بھی ضروری ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ کے اقامت دین کے نظریے نے بعد میں آنے والی اسلامی تحریکات کو ایک فکری بنیاد فراہم کی، جس نے اسلامی معاشرت کے قیام کے لیے روحانیت، سیاست اور سماجی انصاف کے ہمہ گیر اصولوں کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ تاہم، ان کے اس تصور کو عملی جامہ پہنانا اس وقت کے سیاسی و سماجی حالات میں مشکل تھا، مگر ان کی فکر نے بعد کے مسلم مفکرین اور رہنماؤں کو ایک راستہ دکھایا جس پر انہوں نے اس نظریے کو جدید دور کے چیلنجز کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی۔

حوالہ جات

[1] عبد اللہ، محمد۔ *تصور اقامت دین اور اس کی تفہیم*۔ اسلام آباد: اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ، 2005۔

[2] عزیز، احمد۔ *شاہ ولی اللہ کا اسلامی احیاء اور سیاسی افکار*۔ لاہور: پروگریسو پبلشرز، 2010۔

[3] حمید، ڈاکٹر محمد۔ "شاہ ولی اللہ کا تصور اقامت دین۔" *جرنل آف اسلامک اسٹڈیز* 15، نمبر 2 (2003): 25-42۔

[4] خان، سید ابو الاعلیٰ۔ *اسلامی سیاسی افکار: شاہ ولی اللہ کا اثر جدید اسلامی تحریکات پر*۔ کراچی: آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، 2012۔

[5] مودودی، سید ابو الاعلیٰ۔ *اسلام کی تفہیم کی طرف*۔ لاہور: اسلامی پبلکیشنز، 2004۔

[6] مودودی، سید ابو الاعلیٰ۔ *اسلام کے بنیادی اصول*۔ لاہور: اسلامی پبلکیشنز، 1999۔

[7] قریشی، ڈاکٹر محمد۔ *شاہ ولی اللہ: ایک سوانحی مطالعہ*۔ کراچی: بیکن بک، 2011۔

[8] رضا، محمد۔ "شاہ ولی اللہ کا معاصر اسلامی تحریکات پر اثر۔" *جدید اسلامی افکار جرنل* 22، نمبر 3 (2014): 56-70۔

[9] شاہ، ڈاکٹر عبد۔ *شاہ ولی اللہ کی میراث: ان کے سیاسی افکار کا تجزیہ*۔ نئی دہلی: اسلامک ریسرچ اکیڈمی، 2008۔

[10] شاہ ولی اللہ۔ *حجۃ اللہ البالغہ*۔ ترجمہ: محمد خان۔ لاہور: اسلامی بک سروس، 1985۔

[11] شاہ ولی اللہ۔ *الإنصاف*۔ لاہور: اقبال اکیڈمی، 1995۔

[12] سید، علی۔ *اسلامی اصلاح: شاہ ولی اللہ کا کردار جدید اسلامی احیاء میں*۔ اسلام آباد: الحکمہ پبلشرز، 2010۔

[13] طاسیر، ڈاکٹر انور۔ "شاہ ولی اللہ کے اصلاحی نظریات۔" *اسلامک اسٹڈیز کوارٹرلی* 18، نمبر 4 (2001): 110-122۔

[14] ولی اللہ، شاہ۔ *ازالۃ الخفاء عن خلافت الخلفاء*۔ ایڈٹڈ: عبد الستار۔ لاہور: دارالاشاعت، 1997۔

[15] ولی اللہ، شاہ۔ *تفہیمات الہیہ*۔ لاہور: ادارہ معارف، 1994۔

[16] یوسف، ایم ایس۔ "شاہ ولی اللہ کا سماجی انصاف کا تصور۔" *اسلامی تاریخ پر مطالعہ* 10، نمبر 1 (2007): 80-95۔

[17] زمان، سید۔ "شاہ ولی اللہ کے افکار کا تاریخی سیاق و سباق۔" *اسلامی فلسفہ ریویو* 8، نمبر 2 (2009): 102-115۔

[18] ضیاء، ڈاکٹر عبد الرحمن۔ *شاہ ولی اللہ کا اسلامی فکر اور سیاست پر اثرات*۔ کراچی: کراچی یونیورسٹی پریس، 2006۔

[19] اقبال، محمد۔ *اسلام میں مذہبی فکر کی تعمیر نو*۔ لاہور: اقبال اکیڈمی، 1990۔